© rasailojaraid.com

# میرے مشاہدات وتجربات

## ۱۔ مشاہدات

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

یوں تو ہر زندگی مشاہدات سے معمور اور تجربات سے بھرپور ہوتی ہے، لیکن زندگی کا بہت بڑا تجربہ یہ ہے کہ انسان ان مشاہدات وتجربات کو بہت کم یاد رکھتا ہے۔ وہ ایک ہی تجربے سے بار بار دوچار ہوتا رہتا ہے۔ ایک ہی بل سے کئی کئی بار ڈسا جاتا رہتا ہے۔ دجل وفریب اور بے وفائی وطوطا چشمی کے مناظر کا بار بار مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن پھر انہی سے دھوکا کھاتا اور انہی کے فریب میں آتا رہتا ہے۔ ایسے کم ہی انسان ہوں گے جو فریبِ اعتماد کا شکار نہ ہوئے ہوں اور دامنِ محبت میں پوشیدہ ہو لئے نفس کو پہچان کر اس سے بچ نکلتے ہوں۔ شاید مظاہر سے فریب خوردگی انسانی فطرت اور اس دنیا کی زندگی کا طبعی خاصا ہے اور جو اس سے نکلیں انہیں آخر اس دنیا کی مخلوق کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

گم گشتہ مشاہدات وفراموش کردہ تجربات کو کھنگالا جائے تو وہ اس قوت اور معنویت کے ساتھ حافظہ کے پردے پر نمودار نہیں ہوتے جن سے واضح اسباق سامنے آسکیں بلکہ ان کا دھندلا پن محض کسی زخم کے نشان کی مانند ہوتا ہے جس میں نہ درد ہوتا ہے اور نہ ٹیس، پھر بھی مشاہدات وتجربات کا "تذکرہ خود ایک دل خوش کن تجربہ ہو سکتا" ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱ ۔ زندگی کے حقائق میں ایک بہت بڑی تلخ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو ایک نامکمل دنیا میں بھیجا گیا ہے لیکن ہر انسان اسے مکمل دنیا سمجھ کر اس میں اپنی زندگی کا سفر شروع کرتا ہے ۔ اس معمولی سے فرق سے زندگی کے مجموعی طرزِ عمل اور اس کے نتائج میں بہت بڑا فرق واقع ہوتا ہے ۔

یہ دُنیا مشاہدات و تجربات کی دُنیا ہے ۔ یہ مظاہر اور مناظر سے بھرپور دُنیا ہے ۔ اس کا ہر منظر اور ہر مظہر ایک حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن وہ حقیقتِ عظمیٰ خود انسان میں پوشیدہ رکھی گئی ہے ۔ اس کی ساری زندگی کی کامیابی کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ دنیا کی یہ پہیلی بوجھ سکے کہ کیا یہ سب مظاہر اور مناظر ہی مکمل اور کامل دُنیا ہے یا اس کے پیچھے کوئی اور حقیقت بھی پوشیدہ ہے ، یہ عمل ، سوچ ، غور و فکر ، فراغت ، یکسوئی ، من میں ڈوب جانے اور سراغِ زندگی پانے کا تقاضا کرتا ہے ۔ اس کے تجسسِ ابراہیمی کی ضرورت ہوتی ہے ۔

۔ گوتم نے بادشاہت کیوں چھوڑی تھی ؟

۔ حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈال دیئے جانے پر کیوں راضی ہو گئے ؟

۔ حضرت عیسیٰؑ نے صلیب پر لٹکائے جانے کو کیوں پسند کر لیا ؟

۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ کی گلیوں ، طائف کے بازاروں میں پتھر کھانے اور خندق کے معرکے میں پیٹ پر پتھر باندھ لینے کو کیوں گوارا کر لیا تھا ؟

انہیں کیا مجبوری تھی ؟ انہیں کس حقیقت کے عشق نے یہ سب کچھ سہہ جانے پر آمادہ کر لیا تھا ؟ وہ لوگ تو انسانیت کا کُھن اور جوہر تھے ۔ ضرور کوئی بات تھی ..... پتہ چلا کہ وہ بات یہ تھی کہ حقیقتِ عظمیٰ سے ان کی براہ راست آشنائی ہوئی اور یہ سب کچھ وہ اسی حقیقتِ عظمیٰ کے اشارے پر کر گزرے ۔ تو وہ حقیقتِ عظمیٰ کیا ہے جس کے لیے عظیم لوگ عظیم قربانیاں دینے پر آمادہ ہو گئے اور پھر ان قربانیوں نے انہیں اور عظیم تر بنا دیا ۔ وہ حقیقت "عرفانِ الٰہی" ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہر انسان کو اس عرفان کی ضرورت ہے لیکن انسان دنیا میں ایسی آنکھیں لے کر آتا ہے جو صرف مظاہر کا مشاہدہ کرتی ہیں ۔ اس کے سامنے کائنات کی کتاب کھلی پڑی ہوتی ہے ۔ لیکن وہ اس کتاب کو پڑھ نہیں سکتا ۔ اس کی آنکھوں پر مختلف قسم کی پٹیاں بندھی ہوتی ہیں ۔ وہ پٹیاں اُتارنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے ۔ آبائی مذہب کی رکاوٹیں ، ماحول کے بندھن ، معاشرے کے تصورات و رجحانات کا بہاؤ ، قیادت و حکومت کا دباؤ ۔ بے چارہ انسان جو معاش کی لگام میں بندھا ہوا زندگی کی گاڑی میں جتا ہوا بہت کم ہی فرصت پاتا ہے کہ ایسے گھمبیر اور فکر انگیز موضوعات پر سوچ سکے ۔ اس لیے وہ اس نامکمل دنیا کو مکمل دُنیا سمجھ لیتا ہے ۔ مظاہر حقیقت کو وہ مناظر فطرت سمجھ کر ان سے لطف اندوز تو ہوتا ہے لیکن ان کے ذریعے کسی حقیقت تک پہنچنے کا راستہ تلاش نہیں کر پاتا اور یوں زندگی کے ایام بظاہر سورج کی روشنی میں لیکن فی الحقیقت اُلجھے ہوئے افکار کے اندھیرے میں گزار کر قبر کی تاریکی میں چلا جاتا ہے ۔ کبھی اسے تلاشِ حقیقت کی توفیق مل جاتی ہے اور کبھی وہ اس سے بے بہرہ ہی عمر گزار دیتا ہے اور پھر قبر کی تاریکی میں پہنچ کر ہی حقیقت کی روشنی اس پر نمودار ہوتی ہے ۔

میرے لیے تلاشِ حقیقت کا یہ مرحلہ بڑا سخت اور دشوار تھا ۔ جوانی کے ابتدائی ایام میں برسوں تک صرف قلبی اضطراب ہی میں مبتلا رہا ۔ یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی کہ ہماری زندگی اور اس کائنات کا باہمی رشتہ کیا ہے ۔ زندہ رہ کر کچھ کارروائیاں کر جانے میں کیا غرض پوشیدہ ہے ۔ مر کر مٹی ہو جانے کا مفہوم کیا ہے ۔ اگر مر کر صرف مٹی ہی ہو جانا تھا تو پھر یہ پیدائش کا سلسلہ کیا اور کیوں ہے ؟ ہم مسلمان نماز روزہ کرتے ہیں ۔ دیگر مذاہب ماننے والے انہی اغراض کے لیے دوسرے انداز میں خدا کی عبادت کرتے ہیں ، تو ہمارے مسلمان پیدا ہو جانے میں ہمارا کیا کمال ہے کہ ہم خدا کی جنت کے حق دار ہیں اور دوسرے صرف حادثۂ پیدائش کے سبب دوزخ کا ایندھن کیوں بن جائیں گے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نے ۲۲ سال کی عمر میں اپنے اس اضطراب کو ایک خط کی صورت میں لکھ کر ان بزرگوں کی خدمت میں روانہ کیا جن پر اس عمر میں مجھے سب سے زیادہ اعتماد تھا۔

۱۔ میرے ہونے والے خسر صاحب نے لکھا، "تم خاندانِ سادات سے تعلق رکھتے ہو، تمہیں اپنی مغفرت پر مکمل یقین ہونا چاہیے۔ نسب کا رشتہ قیمتی ہے اس پر اعتماد پیدا کرو"۔ لیکن مجھے اس جواب نے مطمئن نہ کیا۔

۲۔ بڑے بھائی جان نے لکھا "تم دینیات کا مطالعہ کرو" چنانچہ میں نے دینیات کا گہرا مطالعہ شروع کر دیا۔

۳۔ والد صاحب نے لکھا، "جوانی میں مجھے بھی ایسے ہی اضطراب سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ تلاش جاری رکھو"۔ چنانچہ میں نے تلاش جاری رکھی۔

۴۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا، "قرآن و سنّت میں ہدایت کا راستہ ہے وہیں تلاش کرو"۔ چنانچہ میں نے ان کا مطالعہ شروع کر دیا اور حقیقت یہ ہے کہ حقیقتِ عظمیٰ کا انکشاف مجھ پر قرآن و سنّت کے مطالعہ سے ہی ہوا۔

مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے جو اپنی سلطنتِ کائنات میں حاکم مطلق ہے۔ انبیاءِ کرام اسی کا پیغام لے کر آتے رہے ہیں۔ قرآن اسی کا آخری پیغام ہے۔ ہم اسی کے بندے اور غلام ہیں، ہم اس کی پیدائشی رعایا BORN SUBJECT ہیں۔ سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ ہم اسی کے قانون کے تابع ہو کر رہیں۔ اگر تابع ہو کر رہیں گے تو مرنے کے بعد مالک کی خوشنودی کا مقام حاصل ہوگا جو بندگی کا مقامِ بلند ہے ورنہ اس کی ناراضگی کے مقام کی سزا ملے گی، جو بدترین جگہ ہے۔ بس اس شعور کے بعد کائنات کے ساتھ اپنے رشتے کا مفہوم میری سمجھ میں آگیا۔ پیدائش، زندگی، اعمال، موت، فنا و بقا کے سارے مسائل خود بخود حل ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں مجھ پر زندگی کا عقدہ کھل گیا اور اضطراب رفع ہو گیا۔

---

۲۔ مشاہدۂ حقیقت کے بعد دوسرا تجربہ مجھ پر اس انسان کے ساتھ پیش آیا جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس زمین پر آباد ہے اور جو ہم سے ہے اور ہم اس سے ہیں۔
یہ تجربہ انتہائی شیریں بھی ہے اور انتہائی تلخ بھی۔ بعض انسانوں کے ساتھ مل کر، ان سے معاملات کر کے، ان سے مشورے حاصل کر کے، ان کی صحبت میں بیٹھ کر اور ان کی رفاقت میں چل کر جنت کی سی خوشبو محسوس ہوئی اور یوں لگا کہ اگر یہ لوگ اس سرزمین میں نہ ہوتے تو یہ دنیا کتنی بھیانک ہوتی۔ اور بعض انسانوں کی ملاقات سے ایسی تلخ یادیں وابستہ ہوگئیں کہ دنیا کا اعتبار ہی اٹھ گیا اور بارہا جی چاہا کہ کسی جنگل کے کھوہ یا کسی پہاڑ کی غار میں جا کر آباد ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ انسان ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ملنے جلنے پر مجبور ہو۔ انسانی تجربات میں سب سے انوکھا تجربہ خود انسان ہے۔ جس کے ہزاروں رنگ روپ اور ہزاروں مزے ہیں۔ اتنی متنوع مخلوق اور کوئی نہیں ہے۔ یہ انسان احساسِ مروت کے تحت دوسرے انسانوں کی خاطر جان پر کھیل جاتا ہے اور یہ انسان ہوسِ اقتدار کی خاطر انسانوں کو قتل کرتا ہے۔ بھائیوں کو ہاتھیوں کے پاؤں تلے روندواتا ہے۔ اور ماؤں کی گودوں میں شیر خوار بچوں کو ذبح کرا دیتا ہے۔ یہ انسان اپنے ملک و قوم کی خاطر دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوتا اور ہوائی جہازوں سے عین دشمنوں کی صفوں میں چھلانگیں لگاتا ہے اور یہی انسان اپنے اقتدار کے لیے اپنے ہی ملکوں کو توڑتا، اپنی ہی قوموں سے غداری کرتا اور اپنی ہی قوم کو ذبح کرتا ہے۔ یہ انسان بڑا معمّا ہے۔ اپنے تجربے پر میں برسوں غور کرتا رہا ہوں۔ پھر مطالعہ قرآن و سنّت سے ہی یہ عقدہ کھلا کہ دراصل یہ دنیا مخلوط آبادی ہے۔ اور اس کمرۂ امتحان میں بیٹھ کر ہر انسان اپنا اپنا پرچۂ عمل حل کر رہا ہے۔ یہاں کا امیر اپنی دولت میں شرافت کا، اور یہاں کا غریب اپنی غربت میں وقارِ انسانیت کا امتحان دے رہا ہے۔ یہ شاہ و گدا، یہ حاکم و محکوم، یہ ظالم و مظلوم، درحقیقت مختلف کردار ہیں جو اپنے اپنے منصب و مقام کے پرچے حل کر رہے ہیں۔ ہر روز ہزاروں کے ہاتھ میں امتحان کے پرچے دیے جاتے ہیں اور ہزاروں سے چھین لیے جاتے ہیں۔ ایک روز آنے گا جب نتیجے کا اعلان ہوگا۔ اس روز امتحان گاہِ دنیا کی یہ مخلوط آبادی دو حصّوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ کامیاب ہونے والے ایک طرف آباد کر دیے جائیں گے اور ان میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناخدا ترسی اور حق سے بے وفائی کرنے والا کوئی نہ ہوگا اور دوسری طرف فیل ہونے والے آباد کر دیئے جائیں اور ان میں خدا ترسی اور حق سے وفاداری کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

میرے اس شعور نے انسانوں کی اتنی تلخ و شیریں اقسام کے بارے میں میرا عقدہ حل کر دیا اور میں نے انسان کو شناخت کر لیا۔

---

۳ — انسان کے بعد میرا مشاہدہ مسلمان کے بارے میں بہت پریشان کن ہے۔ میں نے جو مسلمان کتابوں میں پڑھا، تاریخ اسلام میں دیکھا، صحابہ کرام کے درمیان پایا۔ جنگ بدر، جنگ اُحد اور معرکہ ہائے حنین و بیت المقدس میں دیکھا اور جس کے اوصاف قرآن و حدیث میں موجود پاتے وہ مسلمان دوسری قسم کا ہے۔ اور جو مسلمان میں نے اپنے چاروں طرف موجود پایا وہ دوسرا ہے۔ ان دونوں کے درمیان لامتناہی فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ حیرت انگیز بلکہ وحشت انگیز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کے بارے میں میرا مشاہدہ انتہائی لاینحل تضاد پر مشتمل ہے۔ کتاب تاریخ کے مسلمان اور حقیقتِ نفس الامری کے مسلمان میں صدیوں کا فاصلہ بھی ہے اور منزلوں کا فاصلہ بھی۔ لائبریری کی کتابوں میں جو مسلمان ہے وہ فاتح ہے، متوکل ہے، ایمان دار اور بہادر ہے۔ لیکن پرانی تاریخ اور جدید جغرافیے کے مسلمان کے تضاد نے مجھے حیرت زدہ کر دیا ہے۔ آخر کتابی مسلمان اور موجودہ مسلمان میں اتنا فاصلہ کیوں ہے؟ یہ فاصلہ کیسے واقع ہوگیا ہے؟ کیا یہ مسلمان اپنی اس مسلمانی کے ساتھ وہ نتائج پیدا کر سکتا ہے جو دورِ اوّل کے مسلمان نے اپنی دورِ اوّل کی مسلمانی کے ساتھ پیدا کیے تھے؟ اس سوال کا جواب مسلمان کے سوا ساری دنیا کو معلوم ہے۔

میں نے جب ولیم ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" پڑھی جس میں اس نے بنگال، بہار کے مسلمانوں میں بار بار بغاوت کے اسباب کا تجزیہ کیا ہے کہ آخر وہ کیوں برٹش حکومت سے بار بار بغاوت کر کے سرحد پار مجاہدین کے ساتھ مل کر جہاد کرتے ہیں تو اس کافر کی یہ دریافت سامنے آتی ہے کہ مسلمان اپنے عقیدے کی رُو سے غیر [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوانین کے تحت زندہ رہنے کو غیر اسلامی زندگی سمجھتا ہے اس لیے وہ مسلمان رہنے کے لیے اور اسلامی زندگی بسر کرنے کے لیے جہاد پر مجبور ہے۔ اس کافر کی اس حقیقت شناسی پر میں حیران رہ گیا کہ غیر مسلموں کی نظر میں تو مسلمان غیر اسلامی زندگی پر مجبور کیا جائے تو وہ جہاد کر کے اسلامی زندگی بسر کرنے کا سامان کرتا ہے لیکن آج کے مسلمانوں کو تو ایسا کوئی عقیدہ مجبور نہیں کرتا ہے وہ غیر اللہ کی غلامی کرنے کے لیے ہر عقیدے کی پابندی سے آزاد ہیں۔

---

۴ــــ زندگی میں میرا مشاہدہ اپنے مسلمان معاشرے کے بارے میں بھی افسوسناک تلخیوں پر مشتمل ہے۔ دورِ اوّل کا مسلمان معاشرہ تو ایسا تھا کہ اس کے مجرم بھی خود حاضر ہو ہو کر جرم کا اعتراف کر کے سزا کا مطالبہ کرتے تھے تاکہ انھیں سزا دے کر اضطراب گناہ سے پاک کر دیا جائے اور وہ خدا کے سامنے اس جرم کے ساتھ حاضر نہ ہوں۔ اس کے تاجر اگر تجارت کی خاطر کبھی دوسرے ملک میں چلے جاتے تو ان کی دیانت، امانت، راست گفتاری انصاف اور اخلاق کو دیکھ کر غیر مسلم مسلمان ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مشرق بعید کے بیشتر ممالک انھی تاجروں کے اخلاق و کردار نے فتح کیے۔ اس کے حکام عوام میں انصاف و عدل کی تقسیم کرنے کے لیے ان کے دروازوں تک پہنچتے تھے۔ ان کے علماءِ حق کی خاطر شاہی وظائف کو ٹھکرا کر کوڑے کھانا لیکن حق کی گواہی دینا پسند کرتے تھے۔ ان کے امرا اپنی دولت مسلمانوں کی خدمت اور اسلام کی اشاعت کے لیے جھولیوں میں لیے پھرتے تھے، لیکن مسلمان معاشرے میں اب یہ جنس نایاب ہے۔

---

۵ــــ میرا مشاہدہ اپنی مسلمان ملّت کی ماہیتِ قلب پر بھی حیرت زدہ ہے۔ یہ ملّت جب وجود میں آئی تو اس کے اُصولی اور نظریاتی احساس کا عالم یہ تھا کہ اس نے معرکۂ بدر میں اپنے خون کے رشتوں کو اپنے نظریات کی تلوار سے کاٹا۔ اپنے نظریات کے لیے چند سو کی تعداد میں ہوتے ہوئے ہزاروں اور لاکھوں کے لشکر سے ٹکرا لیے۔ اُصولوں کی خاطر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے آبائی گھروں کو، قیمتی کاروباروں کو اور پیارے وطن کو چھوڑا۔ پیٹ پہ پتھر باندھ کر بھی اپنے نظریات عقائد اور اصولوں کی حفاظت کی اور دنیا میں ایک ایسی نظریاتی مملکت قائم کی جو خدا کی بادشاہت، رسول اکرمؐ کی قیادت، قرآن کی دستوری حکومت، اہل علم کی جمہوری مشاورت، عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کی معاشرت پہ قائم تھی۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ کے ایک تنازع نے اسے ایسا بے حس کیا کہ اس کے سامنے خلافت کا قیمتی ادارہ تباہ ہو گیا تو یہ خاموش رہی۔ حضرت امام حسینؓ کو ذبح کر دیا گیا تو دیکھتی رہی۔ امام مالکؒ کو مدینے کی گلیوں میں رسوا کیا گیا تو اس نے دم نہ مارا۔ امام احمد بن حنبلؒ کو ۲۰ سال تک کوڑے پڑتے رہے تو اس کے عوام نے ایک مظاہرہ اور اس کے تاجروں نے ایک ہڑتال تک نہ کی۔ امام ابوحنیفہؒ کا جنازہ عباسیوں کے ظلم و ستم کا شکار ہو کر جیل سے نکلا تو ان کے ماننے والے لاکھوں کی تعداد میں انہیں قبرستان تک پہنچا کر چپ چاپ گھروں میں بیٹھ گئے۔ جو ظلم اس ملت پہ ہو گیا اس نے سہا۔ جو رسوائی و ذلت اسے دی گئی اس نے برداشت کر لی۔ خدا کی پناہ، غیرت و حمیت کے مقابلے میں اتنی سنگین برداشت اس میں کہاں سے آئی۔

دنیا کے چوراہے پہ ہر احساس سے محروم یہ ملت صدیوں سے بے حس و حرکت پڑی ہے۔ اسے اپنے با اصول نظریاتی وجود کا احساس کب ہو گا؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ میرا یہ المناک مشاہدہ مجھے پہروں رنجیدہ رکھتا ہے۔

---

۶ — میرا مشاہدہ اپنے ملک پاکستان کے بارے میں بھی ایسی ہی تلخیوں پہ مشتمل ہے ہم نے تقسیم ملک سے پہلے جن عزائم کا اظہار کیا اور جو وعدے دنیا بھر کو گواہ کر کے دنیا کے سامنے کیے۔ اپنی جداگانہ قومیت کے اثبات کے لیے اپنے دین اسلام کے حوالے سے جو جو دلائل دیئے اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ہم خالص ایک اسلامی نظریاتی مملکت اسلام کے آفاقی اصولوں پر مبنی قائم کرنے جا رہے ہیں۔ پھر جو وعدے ہم نے عوام الناس سے کیے اور ان سے تاریخ کی عظیم الشان قربانیاں طلب کیں وہ بھی ہماری تاریخ کا حصہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں لیکن جس طرح ہم نے پاکستان میں پہنچ کر اپنے وعدوں کو پامال اور اپنے دعووں کو باطل کیا ہے یہ بھی بنی اسرائیل کو چھوڑ کر قوموں کی تاریخ میں وعدہ شکنی کا ایک خصوصی ریکارڈ ہے جس کی بنا پر ہم قوموں کے درمیان عزت کا مقام نہیں پا سکتے۔ چنانچہ آج ہمارا مقام قوموں کی برادری میں عزت کا مقام نہیں ہے۔

---

۷ ـــ اپنے ملک میں مذہبی فرقہ بندی کا مشاہدہ بھی میرے لیے شدید ذہنی اذیت کا حامل رہا ہے۔ اپنے بچپن اور جوانی میں جب ہم ایک غیر مسلم قوم کے غلام تھے اس وقت بھی یہ مذہبی فرقہ بندی اس درجہ اشتعال انگیز حد تک بڑھی ہوئی نہیں تھی، جو آج ہے۔ آخر ہماری اس فرقہ بندی پر کفار کے سوا اور کون خوش ہو سکتا ہے۔ جو ملتِ خدا و رسولؐ کی طرف سے تمام تر اتحاد کی بنیادوں پر ہی استوار کی گئی ہو۔ توحید، رسالت، آخرت، قرآن، حساب کتاب، دوزخ، جنت، حلال و حرام، گناہ و ثواب، معروف و منکر، اخوت و دیانت، آخر کس چیز میں اختلاف ہے۔ ساری ہی متفق علیہ بنیادیں ہیں۔ ترجیح و عدم ترجیح اور فضیلت و عدم فضیلت، سے انسان کے اسلام میں تو کوئی فرق نہیں آتا۔ ایمان بھی زائل نہیں ہوتا۔ اور خدا کے ہاں فقہی مسائل کی بازپرس بھی نہیں ہے۔ پھر ترجیح و فضیلت کے ان علمی مسائل کو عوام الناس کے سامنے پیش کرنا جو علمی سطح پر فیصلے کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتے یہ اسر ایک غیر علمی روش ہے جو اسلام اور عوام کے ساتھ زیادتی ہے۔ یہ بات اہلِ علم کو زیب نہیں دیتی۔ علمی راستہ چھوڑ کر عوام کو حَکم بنانے کے نتیجے میں اُمتِ محمدیہؐ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ کیا حضورِ اکرم اس صورتِ حال کو پسند فرما سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو پھر حب رسولؐ کا تقاضا اتحادِ ملت میں ہے افتراقِ ملت میں نہیں ہے۔ لیکن اتحادِ ملت کے دعووں کے ساتھ افتراقِ ملت ہی میں ہر روز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

---

۸ ـــ مسلمانوں کے اندر موجودہ سیاسی جماعتوں کا کردار بھی میرے مشاہدے کا ایک المیہ ہے۔ باہمی ایک دوسرے کی کردار کشی، الزام تراشی، بہتان بازی جھوٹ اور افترا کی فراوانی کو لوگوں نے سیاست کا نام دے لیا ہے۔ اس درجہ کی گھناؤنی سیاست جو بہتان تراشی کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم معاشرے میں فروغ دے شاید مغربی معاشروں میں بھی رائج نہ ہوگی۔ لیکن اگر ان میں رائج ہو بھی، تو وہ ہم مسلمانوں کے لیے تو ہرگز واجب الاتباع نہیں ہے۔ اقتدار کی ہوس جسے اسلام نے مکروہ قرار دیا ہے وہ ہمارے ہاں کی سیاسی جماعتوں میں اس درجہ سرایت کر گئی ہے اور ان کا کردار اس درجہ ملت کے لیے افتراق انگیز بن گیا ہے کہ ان میں غیر مسلم قوموں کا آلۂ کار تک بن جانے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ صورتِ حال اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ ان جماعتوں کو از سرِ نو اسلام کے اجتماعی اصولوں پر منظم کیا جائے۔ اس صورت میں یہ جماعتیں ایک مسلمان معاشرے کی اصلاح میں مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔

---

9 — مسلمانوں کی سیاسی اور اجتماعی زندگی کا ہر سطح پر ایک نہایت درجہ مکروہ پہلو باہمی ایک دوسرے کی "ٹانگ کھینچنا" بھی ہے۔ یہ عادت ہماری اسلامی تعلیمات میں بالکل اجنبی ہے لیکن ہماری اجتماعی اور سیاسی زندگی میں بے رحمی کی حد تک معمول بن گئی ہے۔ لوگ اس معاملے میں کسی کو بھی معاف نہیں کرتے۔ ایک کو گرانے اور دوسرے کو آگے بڑھانے کا کھیل بالکل شطرنج کے مہروں کی طرح کھیلا جاتا ہے۔ اس کے سبب کتنے ہی لوگ دل شکستہ ہو کر اجتماعی زندگی میں کوئی قابلِ ذکر کردار ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ جو لوگ غلط طریقوں سے دھڑے اور گروپ بنا کر اجتماعی زندگی میں چلتے ہیں وہ اس گروپ کے سہارے چلتے رہتے ہیں اور آگے بڑھتے رہتے ہیں، لیکن جو لوگ صرف خلوص، محنت اور جذبۂ خدمتِ ملی کے زور سے چلتے ہیں، کسی نہ کسی مرحلے پر کوئی نہ کوئی ان کی ٹانگ کھینچ کر کونے میں پھینک دیتا ہے اور یہ عمل سیاست کے حوالے سے اتنی بے دردی کے ساتھ ہوتا ہے کہ کردار کشی کے ذریعہ اس کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیرنے کی کوشش بھی ساتھ ہی ساتھ کی جاتی ہے تاکہ کوئی اس سے ہمدردی بھی نہ کرنے پائے۔ سیاسی زندگی میں اس ظالمانہ کارروائی کا شکار مخلص لیکن بے سہارا کارکن ہمیں ہر پارٹی میں دکھائی دیں گے۔ یہ عمل ملازمتوں میں بھی اب زور و شور سے جاری ہے۔ یہ ہماری اجتماعی زندگی کا انتہائی بھیانک عمل ہے۔

(باقی)

---

© rasailojaraid.com